"مطلعِ ثانی" اور اگر اس کے بعد بھی مطلع ہو تو اس کو "مطلعِ ثالث" کہتے ہیں۔ جس طرح غزل کے اشعار کی تعداد مقرّر نہیں ہے، اسی طرح مطلعوں کی تعداد بھی مقرّر نہیں ہے۔ مطلعے کے فوراً بعد آنے والے شعر کو "حُسنِ مطلع" یا "زیبِ مطلع" کہتے ہیں۔ غزل کے آخری شعر میں شاعر اپنا تخلّص استعمال کرتا ہے، اس شعر کو "مَقطع" کہتے ہیں۔ غزل کا سب سے اچھا شعر "بیتُ الغزل" یا "شاہِ بیت" کہلاتا ہے۔ جس غزل میں ردیف نہ ہو اور صرف قافیے ہوں، اس کو "غیر مُردّف" کہتے ہیں۔ وہ بحر اور ردیف و قافیہ جس کے لحاظ سے غزل کہی جاتی ہے، اسے غزل کی "زمین" کہتے ہیں۔

محمّد قُلی قُطب شاہ معانی

(1611 – 1565)

محمّد قُلی قُطب شاہ گولکنڈہ کی قطب شاہی حکومت کا تیسرا بادشاہ تھا۔ وہ اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر ہے۔ اس کے پہلے بھی کئی شاعر ہو چکے تھے، اور نثر میں بھی بہت کچھ لکھا جا چکا تھا، لیکن قلی قطب شاہ کے پہلے کسی شاعر کے دیوان کا سُراغ نہیں ملتا۔ قلی قطب شاہ کے زمانے میں دو اہم شاعر وجہی اور غوّاصی نام کے تھے۔ وجہی نے نثر میں بھی ایک مشہور کتاب "سَب رَس" لکھی ہے۔ "سَب رَس" کو بجا طور پر اردو نثر کا پہلا اعلا کارنامہ کہا جاتا ہے۔

غوّاصی جو اُس زمانے میں زیادہ مشہور نہ ہو سکا، دراصل غزل کے میدان کا مرد ہے۔ آج تقریباً چار سو سال کے بعد تو اس کی شاعری محمد قلی قطب شاہ اور وجہی دونوں سے بہتر معلوم ہوتی ہے۔

محمد قلی قطب شاہ کی خوبی یہ ہے کہ اس نے غزل، نظم، قصیدہ، رُباعی، سب میدانوں میں بہت عمدہ شاعری کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ قلی قطب شاہ نے روزمرّہ زندگی کے معاملات، تیوہاروں، میلوں، کھیل کود، عام طبقے کی عورتوں، پند و نصیحت، شہروں، عمارتوں، موسموں، اسی طرح کی تمام

چیزوں پر نظمیں لکھی ہیں۔ اس کا کلام کئی ہزار اشعار پر پھیلا ہوا ہے۔

قلی قطب شاہ کے کلام میں کوئی خاص گہرائی نہیں ہے لیکن عام زندگی اور عشقیہ معاملات اور دُنیا کے کاروبار اس کے کلام میں ہر صفحے پر بے ساختہ اور برجستہ انداز میں برتے گئے ہیں۔ قلی قطب شاہ نے ایک بڑا کام یہ بھی کیا کہ اس نے زبان کو بڑی حد تک ادبی اور شائستہ بنایا۔ اس کے کلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اب اردو ایک چھوٹی موٹی بولی نہیں، بلکہ ادبی اظہار کی زبان بن چکی ہے۔

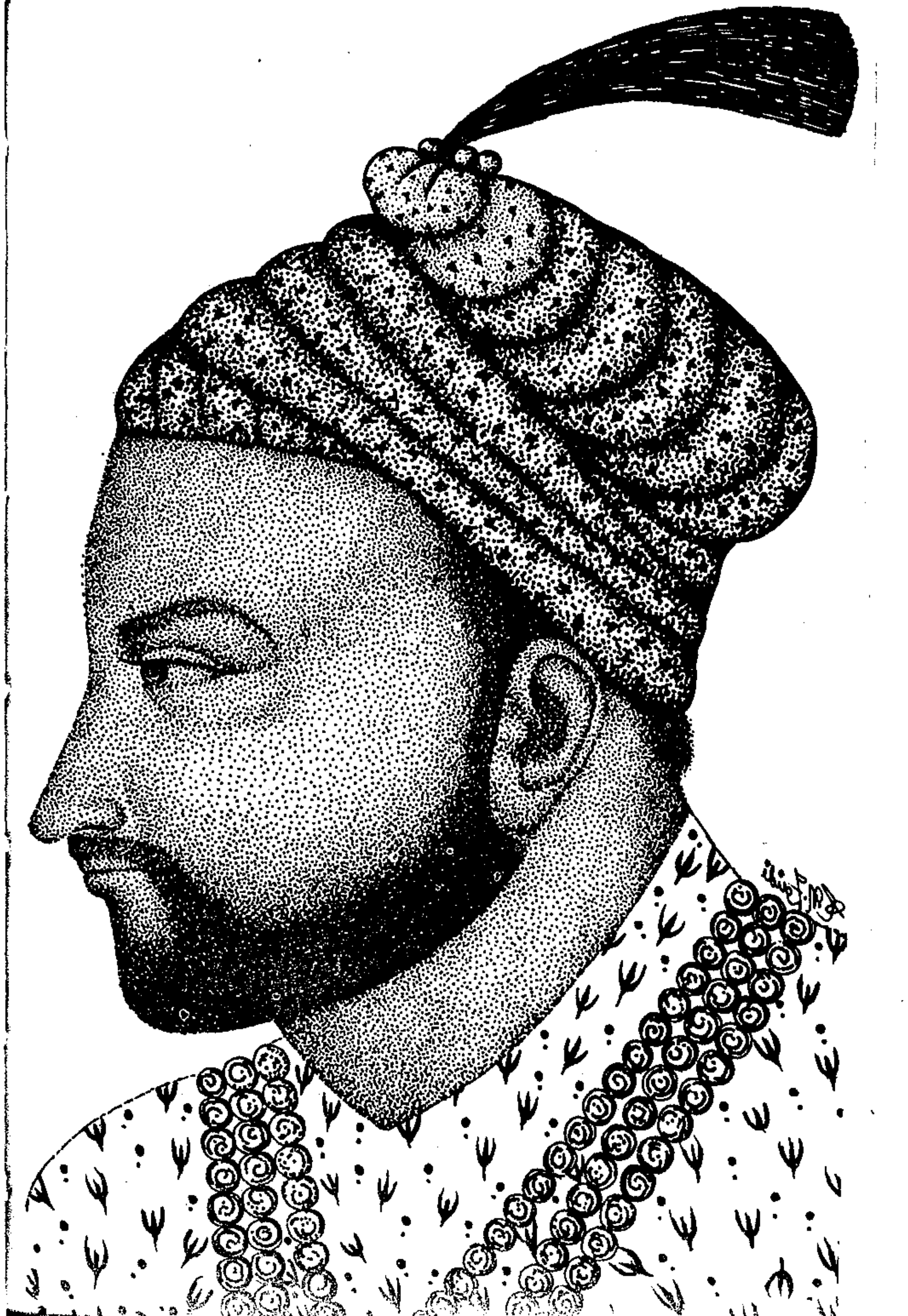

پیا تجھ آشنا ہوں میں تُو بیگانہ نہ کر مجھ کو
رتی نَیں یک رتی تجھ یاد بِن تُو نابِسر مجھ کو

ترے پگ تَل رکھی ہوں سیس ازل دن تھے ابدلگ بھی
عجب کیا ہے جو نت سر بُھئیں دھریں ساتوں انبر مجھ کو

جہاں تو واں ہوں میں پیارے مجھے کیا کام ہے کس سوں
نہ بت خانے کا مجھ پروا نہ مسجد کا خبر مجھ کو

جُنَت ہور دوزخ ہور اَعراف کچھ نَیں ہے مرے لیکھے
جدھر تو واں مرا جنّت جدھر نَیں واں سَقر مجھ کو

جنت کو ہور دوزخ کو سو مسجد بُتّ خانہ کیا
کِسے نا جانوں میں معلوم نَیں کوئ تجھ بغیر مجھ کو

معنی اور اشارے

تجھ آشنا ہوں	=	تیرے اوپر عاشق ہوں
رتی	=	رہتی
نَیں	=	نہیں
یک رتی	=	ایک رتّی ، ذراسا
تجھ یاد	=	تیری یاد
بِسرنا	=	بُھلانا

تَل	=	تَلے ، نیچے
تھے	=	سے
لَگ	=	تک
سر بُھئیں دھریں	=	زمین پر سر رکھیں
انبر	=	امبر، آسمان
مجھ کو	=	میرے سامنے ، میرے لیے ، مجھے
سوں	=	سے
مجھ پروا	=	مجھے پروا
ہور	=	اور (" ہور" کو کبھی کبھی اس طرح پڑھتے ہیں کہ " اور" سنائ دیتا ہے ، جیسا کہ چوتھے شعر میں دونوں جگہ ہے۔)
مرے لیکھے	=	میرے حساب میں ، میرے خیال میں
اَعراف	=	جُنّت اور جہنّم کے درمیان کی جگہ
کوئ	=	اس کو " کیا" کی طرح یوں پڑھیے کہ " واؤ" کی آواز بہت کم سُنائ دے۔

غور کرنے کی بات

بہت سے لوگ دکنی کو الگ زبان سمجھتے ہیں ، حالانکہ یہ اُردو کی ایک قدیم شکل ہے۔ اس سے ملتی جلتی زبان شمالی ہند میں بہت پہلے سے بولی جارہی تھی۔ کب اور کس طرح یہ زبان شمال سے جنوب میں پہنچی ، اس کے بارے میں

یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ جس زبان میں قلی قطب شاہ نے شاعری کی ہے، اس کے نشان شمالی ہند کی ادبی زبان میں قلی قطب شاہ کے ڈھائی سو برس بعد تک ملتے ہیں۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اردو میں تبدیلی آتی گئی اور آج قلی قطب شاہ کی زبان (جسے "دکنی" کہا جاتا ہے) بہت نامانوس اور مشکل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھیے تو اس میں آج کی اردو کے نشانات صاف دکھائی دیں گے۔

چار سو برس میں بہت سے الفاظ کا املا اور تلفّظ بدل گیا۔ بہت سے الفاظ کے معنی بدل گئے۔ بہت سے الفاظ عام بول چال سے باہر ہوگئے۔ محمد قلی قطب شاہ کی اس غزل میں ہم نے بہت سے الفاظ کا املا آج کے املا کے مطابق کر دیا ہے۔ آپ یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ "پروا" اور "خبر" جیسے لفظ جو آج مونّث ہیں، اس غزل میں مذکّر لکھے گئے ہیں۔ "جنّت" کی جگہ "جَنَت" اور "امبر" کو "انبر" لکھا ہے۔ یہ سب باتیں اس وجہ سے ہیں کہ زبان اپنی ابتدائی منزلوں میں تھی۔ بہت سے الفاظ کا تلفّظ پوری طرح طے نہیں ہوا تھا، مذکّر مونّث کے معاملات میں بھی نرمی تھی، اور اس کے علاوہ بہت سے الفاظ جو ہمارے زمانے میں مونّث ہیں، اس زمانے میں شمالی ہند کی بولی میں بھی مذکّر تھے۔ اور بہت سے الفاظ جو ہمارے زمانے میں مذکّر ہیں، اس زمانے میں شمالی ہند کی بولی میں بھی مونّث تھے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ شاعر کو آزادی زیادہ تھی، قاعدے قانون کی سختیاں کم تھیں۔ شاعر کو اختیار تھا کہ اپنی ضرورت کے مطابق زبان میں تھوڑی بہت تبدیلی کر لے۔ اس غزل میں قلی قطب شاہ نے "کر" اور "بِسَر" کے ساتھ "بغیر" کو بھی قافیہ کر لیا ہے۔ آج کے شاعر ایسی آزادی کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔

پرانی اردو شاعری میں شعر کا مُتکلّم (یعنی وہ شخص جس کے پردے میں شاعر اپنی بات کہتا ہے) عورت یا مرد کوئی بھی ہو سکتا تھا۔ ہندوستان کی بہت سی شاعری

میں عورت ہی متکلّم ہوتی ہے۔ قلی قطب شاہ اور بعد کے شاعروں نے اس رسم کو جاری رکھا۔ بلکہ دکن کے ایک شاعر ہاشمی نے تو اپنی پوری شاعری میں صرف عورت کو متکلّم بنایا ہے۔ قلی قطب شاہ کی اس غزل میں پہلے اور دوسرے شعر کی متکلّم عورت ہے اور تیسرے شعر کی متکلّم بھی عورت فرض کی جاسکتی ہے۔ دلّی کے شاعروں نے یہ رسم بالکل ترک کر دی۔

دوسرے شعر میں ایک صوفیانہ بات کہی ہے۔ انسان اگر خدا کو پوری طرح مان لے تو زمین آسمان سب اس کے ہو جاتے ہیں۔ اس شعر کو عاشقانہ بھی فرض کر سکتے ہیں۔ یہ "تہ داری" (یعنی ایک ہی بات کے کئی پہلو ہونا) غزل کی خاص صفت ہے۔

مشق اور مطالعہ

(1) غزل کے سب اشعار بلند آواز سے پڑھیے اور ہر شعر کا قافیہ اور ردیف علیحدہ علیحدہ لکھیے۔

(2) مندرجہ ذیل لفظوں کے بارے میں بتائیے کہ یہ آج کل کے قاعدے کے اعتبار سے مونّث ہیں یا مذکّر ؟

○ پروا ○ خبر ○ جنّت

(3) مندرجہ ذیل الفاظ کا جدید تلفّظ بتائیے :

○ رتی ○ بُھئیں ○ انبر ○ واں

(4) "جنّت" اور "اعراف" اور "سقر" کا مطلب ایک ایک جملے میں بیان کیجیے۔